# زرداری سمیت این آر او سے فائدہ اٹھانے والوں کی فہرست جاری

سپریم کورٹ کے آرڈیننس کو
کالعدم قرار دینا تو تمام مقدمات کھل
جائینگے وزیر مملکت برائے قانون

## 8041افراد نے فائدہ اٹھایا، نصرت بھٹو، الطاف، رحمان ملک، احمد مختار، شیر پاؤ، حسین حقانی، فاروق ستار، جہانگیر بدر اور 248 بیوروکریٹس بھی شامل ہیں: افضل سندھو

اسلام آباد (وقائع نگار خصوصی، ایکسپریس رپورٹ، نیوز ایجنسیاں) وفاقی حکومت نے این آر او سے فائدہ اٹھانے والے افراد کی فہرست جاری کر دی ہے، جس کے مطابق صدر آصف زرداری، ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین، نصرت بھٹو، وزیر داخلہ رحمان ملک، وزیر دفاع احمد مختار، وفاقی وزیر ڈاکٹر فاروق ستار، گورنر سندھ عشرت العباد، آفتاب شیر پاؤ، امریکہ میں پاکستانی سفیر حسین حقانی، برطانیہ میں پاکستانی ہائی کمشنر واجد شمس الحسن سمیت 8041افراد این آر او سے مستفید ہوئے، جن میں سب سے زیادہ افراد کا تعلق سندھ سے ہے، جن کی تعداد 7793 ہے اور ان پر 3230 کیسز تھے۔ وزیر مملکت برائے قانون و انصاف افضل سندھو نے یہاں پریس کانفرنس فہرست جاری کی۔ انہوں نے کہا کہ این آر او کا معاملہ بہت دنوں سے چل رہا ہے، ہر روز اخبار میں ایک نئی فہرست شائع ہوتی ہے، میری آج وزیر اعظم سے ملاقات ہوئی ہے اور وزیر اعظم کی ہدایت پر این آر او سے فائدہ اٹھانے والوں کی فہرست میڈیا میں پیش کی جا رہی ہے، اس فہرست میں سیاستدانوں کے نام آٹے میں نمک سے بھی کم ہیں۔ فہرست میں تمام جماعتوں کے صرف 34 سیاسی رہنما شامل ہیں، جن میں صدر آصف زرداری، بیگم نصرت بھٹو، سابق ایم این اے چوہدری شوکت علی، سابق چیئرمین ضلع کونسل حاجی کبیر خان، سابق ایم این اے چوہدری ذوالفقار علی، سینیٹر جہانگیر بدر، ملک مشتاق اعوان، سابق رکن اسمبلی رانا نذیر احمد، سابق ایم این اے میاں محمد رشید، طارق انیس، چوہدری عبدالحمید، میاں طارق محمود، حاجی نواز کھوکھر، نواب یوسف تالپور، انور سیف اللہ خان، احمد مختار، سردار منصور لغاری، آغا سراج درانی، آفتاب احمد شیر پاؤ، غنی الرحمان، حاجی گل شیر خان، حبیب اللہ خان کنڈی اور میر باز محمد کیتھران شامل ہیں۔ این آر او کے آرٹیکل دو کے تحت ریویو بورڈ کی طرف سے جن افراد کو فائدہ دیا گیا ان میں ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین، فاروق ستار، بابر غوری، عشرت العباد، نعمان سہگل، ڈاکٹر عمران فاروق، شعیب بخاری، وسیم اختر، سلیم شہزاد، کنور خالد یونس اور ڈاکٹر صفدر باقری شامل ہیں۔ افضل سندھو نے بتایا کہ 248 بیوروکریٹس نے بھی این آر او سے فائدہ اٹھایا جن میں ایف آئی اے کے رحمان ملک، وزیر اعظم کے سابق پرنسپل سیکرٹری احمد صادق، سابق چیف سیکرٹری جاوید احمد قریشی، سعید مہدی، حسین حقانی، بریگیڈیئر (ر) اسلم حیات قریشی، جاوید طلعت، اے آر صدیقی، سلیمان فاروقی، عثمان فاروقی، پیر مکرم الحق، بریگیڈیئر (ر) امتیاز احمد، شوکت حسین شاہ، محمد عثمان، احمد ریاض شیخ، حبیب اللہ تسنیم، محی الدین جمیلی، محمد فاروق، راجہ زاہد حسین، محمد ظہیر خان، رئیس محمد ارشاد، جعفر میمن، سکندر علی عباسی، مرید احمد بلوچ، عدنان اے خواجہ، ندیم امتیاز، مشکور احمد عثمان، اختر ایچ عسکری، قیصر رضا، معین العارفین، محمد شریف قریشی، سید زاہد شاہ، محمد یونس بٹ اور دیگر شامل ہیں۔ وزیر مملکت نے کہا کہ یہ کیسز سیاسی انتقام کی بنا پر بنائے گئے جن کی اصل حقیقت نہیں تھی۔ پیپلز پارٹی کے قائدین کیخلاف جو کیسز بنے تھے وہ نواز شریف دور کے احتساب بیورو کے سربراہ سیف الرحمان نے بنائے تھے۔ اس حوالے سے نواز شریف خود بھی بیان دے چکے ہیں اور میثاق جمہوریت میں بھی اس کا ذکر ہے کہ سیاسی انتقام نہیں لیا جائیگا۔ سابق صدر فاروق لغاری نے پیپلز پارٹی کی حکومت توڑنے کے بعد مخاصمت کی وجہ سے جو مقدمات بنائے میں اس کا ذکر کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتا۔ انہیں قدرت نے سزا دیدی ہے فاروق لغاری ایک جیتے ہوئے رکن قومی اسمبلی ہے مگر ان میں ہمت نہیں کہ وہ اسمبلی میں آجائیں یا میڈیا کا سامنا کریں ان کیلئے اتنی ہی عبرت کافی ہے۔ اس سوال پر کہ فائدہ اٹھانے والوں نے این آر او کے ذریعے کتنا مال لوٹا اور دیگر کیا مقدمات ہیں؟ وزیر مملکت نے کہا کہ کتنا مال لوٹا گیا میں اس وقت نہ اس کا حساب کر سکتا ہوں اور نہ ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے اس کیلئے پھر کسی دن میڈیا اور ہم اکٹھے ہو جائیں گے۔ این آر او کے تحت مقدمات میں صرف ایک مقدمے کا فیصلہ ہوا تھا جو ملک قیوم اور مسٹر کاظمی پر مشتمل بنچ نے لاہور میں دیا لیکن جب آصف زرداری نے سپریم کورٹ میں اپیل کی تو سپریم کورٹ نے اس کیس کو واپس ہائی کورٹ میں بھیج دیا اور اسی کی بدولت جسٹس قیوم، جسٹس کاظمی اور جسٹس راشد عزیز کو استعفیٰ دینا پڑا۔ ریویو بورڈ نے سندھ کے 7793 لوگوں کو فائدہ دیا جبکہ کیسز کی تعداد 3230 ہے۔ انہوں نے بتایا کہ این آر او سے فائدہ اٹھانے والوں میں اس وقت بیرون ملک تعینات تین سفیر بھی شامل ہیں جن میں حسین حقانی، واجد شمس الحسن اور اے آر صدیقی شامل ہیں۔ انہوں نے کہا کہ 28 نومبر تک این آر او کو ایک تحفظ حاصل ہے۔ سپریم کورٹ کے فیصلے پر این آر او کو حکومت نے اسمبلی میں پیش کیا اور پھر واپس لے لیا۔ اس آرڈیننس کی میعاد 28 نومبر کو ختم ہو گی۔ سپریم کورٹ میں ڈاکٹر مبشر حسن اور روئیداد خان کی دو درخواستیں زیر التوا ہیں۔ این آر او کے حوالے سے سپریم کورٹ جو بھی فیصلہ کریگی حکومت اس کو من و عن تسلیم کریگی اور ان لوگوں کو کسی قسم کا تحفظ نہیں دیا جائیگا۔ آئین کے آرٹیکل 248 کے تحت صدر کو استثنیٰ حاصل ہے کہ ان کیخلاف کوئی فوجداری یا دیگر کیس عدالت میں نہیں چلایا جا سکتا۔ صدر زرداری کے بعد بھی جو صدر آئے گا اس کو بھی یہ تحفظ حاصل ہے۔ اس سوال پر کہ جن لوگوں نے پلی بارگین کے تحت اپنے مقدمات ختم کروائے ہیں کیا ان کیخلاف بھی کارروائی کی جائیگی؟ وزیر مملکت نے کہا کہ اگر سپریم کورٹ نے اس آرڈیننس کو مکمل طور پر کالعدم قرار دیدیا تو پھر ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین سمیت ایسے تمام افراد کے کیس کھل جائیں گے جنہوں نے کرپشن یا دیگر کیسز میں کسی بھی صورت فائدہ حاصل کیا۔ انہوں نے بتایا کہ وزیر اعظم یوسف گیلانی کیخلاف صرف دو کیسز تھے جن میں عدالت نے انہیں باعزت بری کیا وزیر اعظم اور انکی اہلیہ فوزیہ گیلانی این آر او سے فائدہ اٹھانے والوں میں شامل نہیں ہیں۔ این آر او کے تحت 3478 مقدمات کا فیصلہ ہوا۔ صدر مملکت کے 6 نیب ریفرنس واپس لیے گئے تھے جن میں ایس جی ایس کوٹیکنا کیس، اثاثہ جات کا کیس اور بی ایم ڈبلیو کیس شامل ہیں۔

# سانپوں والی سرکار

## قلم کمان......حامد میر

حسین حقانی کو اور کیا چاہئے؟ شاید ان کی ماں کی کوئی دعا کام آ گئی اور کیری لوگر بل کی وجہ سے کئی ہفتے تک متنازعہ رہنے کے بعد اب انہیں این آر او کے طفیل اپنے دامن پر لگے داغ دھونے کا سنہری موقع مل گیا ہے۔ وزیر مملکت برائے قانون وانصاف افضل سندھو کی طرف سے این آر او سے فائدہ اٹھانے والے 8041 افراد کی جو فہرست سامنے لائی گئی ہے اس میں حسین حقانی کا نام بھی شامل ہے۔ حسین حقانی کیلئے اس سے زیادہ فخر کی اور کیا بات ہوگی کہ 8041 افراد کی فہرست میں ان کا نام شہید محترمہ بے نظیر بھٹو کے ساتھ آیا ہے۔ وہی شہید محترمہ جن کے نام سے اسلام آباد کے ایئرپورٹ سمیت ملک کی کئی شاہراہیں اور ادارے موسوم ہیں۔ شہید محترمہ پر 1997ء میں سینیٹر سیف الرحمان کی سربراہی میں قائم احتساب بیورو نے ایک ایف ایم ریڈیو کو لائسنس جاری کرنے کے الزام میں مقدمہ درج کیا۔ مقدمہ اتنا کمزور تھا کہ دو سال تک احتساب بیورو نے حسین حقانی کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ 1999ء میں نواز شریف حکومت ختم ہوئی تو احتساب بیورو کو نیب میں تبدیل کر دیا گیا۔ پرویز مشرف کی حکومت نے سینیٹر سیف الرحمان کو گرفتار کر لیا اور سیف الرحمان حالت گرفتاری میں مشرف حکومت کی معاونت کرتے رہے۔

مشرف حکومت نے حسین حقانی کو بھی گرفتار کر لیا اور ان پر وعدہ معاف گواہ بننے کیلئے دباؤ ڈالا۔ یہ وہ موقع تھا جب حسین حقانی نے انکار کر کے اپنے بہت سے ناقدین کے دلوں میں خود کیلئے احترام پیدا کر لیا اور بعد ازاں لاہور ہائی کورٹ کے ذریعے ضمانت پر رہا ہو گئے۔ انہی دنوں میجر جنرل راشد قریشی نے اس مقدمے کی فائل بند کروا دی اور حسین حقانی امریکا روانہ ہو گئے۔ امریکا جا کر انہوں نے انگریزی میں ایک کتاب لکھی اور اپنی گرفتاری اور جیل میں تشدد کا بدلہ ان اداروں سے لیا جو انہیں شہید محترمہ بے نظیر بھٹو کے خلاف وعدہ معاف گواہ بننے پر مجبور کرتے رہے۔ ان اداروں نے یقیناً حسین حقانی کے ساتھ زیادتی کی لیکن حقانی صاحب نے ان اداروں سے انتقام لینے کیلئے اپنی کتاب میں جو کچھ لکھا اس کا سب سے زیادہ فائدہ پاکستان کے دشمنوں نے اٹھایا۔ 2008ء میں حسین حقانی امریکا میں پاکستان کے سفیر بن گئے لیکن قومی سلامتی کے ذمہ دار اداروں اور ان کے درمیان غلط فہمیاں برقرار رہیں۔ شاید انہی غلط فہمیوں کے باعث یہ تاثر لیا گیا کہ کیری لوگر بل میں پاکستانی فوج کے بارے میں دفعات امریکی کانگریس نے نہیں بلکہ حسین حقانی نے شامل کروائیں۔ حسین حقانی کا کیری لوگر بل کے حوالے سے کیا کردار تھا یہ تو ہمارا اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن یہ طے ہے کہ این آر او نے صرف حسین حقانی کو نہیں بلکہ کئی دوسروں کو یہ موقع فراہم کر دیا ہے کہ وہ عدالتوں میں جائیں اور اپنی بے گناہی ثابت کریں۔ عدالتوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ جلد از جلد ان سب افراد کے خلاف مقدمات کا فیصلہ کریں جن پر این آر او سے فائدہ اٹھانے کا الزام ہے۔ یہ نکتہ قابل غور ہے کہ عدالتوں کو ان مقدمات کا فیصلہ کرنے میں دو تین سال بھی لگ سکتے ہیں اور یوں دو تین سال تک مجبوری میں نیب کو قائم رکھنا پڑے گا اور اس ادارے میں ملازمت کرنے والوں کو تنخواہیں بھی دینی پڑیں گی۔ میں نیب کے کچھ افسران کو ذاتی طور پر جانتا ہوں جو پچھلے کچھ مہینوں سے اخبارات کے دفاتر میں چکر لگا رہے تھے اور صحافیوں کو مختلف سیاستدانوں کے بارے میں بتا رہے تھے جنہوں نے مبینہ طور پر این آر او سے فائدہ اٹھایا۔ ایک دن میں نے نیب کے ایک افسر سے پوچھا کہ آپ لوگ نواب یوسف تالپور جیسے لوگوں کو بھی این آر او سے فائدہ اٹھانے والوں میں شامل کر رہے ہیں حالانکہ ان کے خلاف الزام کی کسی عدالت میں آج تک کوئی سماعت نہیں ہوئی؟ مذکورہ افسر نے جواب میں کہا کہ ہم جتنی لمبی فہرست بنائیں گے عدالتوں سے کلیئرنس لینے میں اتنا زیادہ وقت لگے گا اور ہمارا اسٹاف عدالتوں میں پیش ہوتا رہے اور یوں ہماری نوکری لگی رہے گی۔ یہ سن کر مجھے کافی افسوس ہوا لیکن حسین حقانی کو خوش ہونا چاہئے۔ ان سے گزارش ہے کہ وہ اپنی جلاوطنی ختم کریں اور جلد از جلد پاکستان واپس آ کر خود کو عدالت سے کلیئر کروائیں اور جب خود بے گناہ ثابت ہو جائیں تو پھر ان افراد کے خلاف ایک مقدمہ دائر کروائیں۔ جنہوں نے حسین حقانی کے خلاف جھوٹا مقدمہ درج کیا اور پھر ان جھوٹے مقدمے کی آڑ میں انہیں جھوٹ بولنے پر مجبور کرتے رہے۔ ایک دفعہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ضرور ہونا چاہئے۔

این آر او صرف ایک کالا قانون نہیں بلکہ ایک سانپ تھا۔ اس سانپ کو جنم دینے والی سرکار جنرل پرویز مشرف تھی جو قومی مفاہمت کے نام پر شہید محترمہ بے نظیر بھٹو کو ایسا ڈنگ مارنا چاہتے تھے کہ ان کی سیاسی مقبولیت ختم ہو جائے۔ شہید محترمہ کو بہت جلد سانپوں والی سرکار کے عزائم کا پتہ چل گیا اور انہوں نے 3 نومبر 2007ء کی ایمرجنسی کے فوراً بعد جنرل پرویز مشرف کے ساتھ قومی مفاہمت کے نام پر شروع کیا گیا ڈائیلاگ ختم کر دیا گیا۔ ڈائیلاگ کے خاتمے کا اعلان کرنے کے بعد محترمہ بے نظیر بھٹو کو شہید کر دیا گیا لیکن مشرف نے این آر او ختم نہیں کیا۔ پرویز مشرف نے این آر او کو سیاسی رشوت کے طور پر استعمال کرنے کی کوشش اور اس رشوت کے عوض موصوف مزید پانچ سال کیلئے ایوان صدر میں بیٹھے رہنا چاہتے تھے لیکن قسمت نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ آصف زرداری نے نواز شریف کے ساتھ مل کر انہیں ایوان صدر سے نکال دیا۔ آج این آر او سے فائدہ اٹھانے والوں پر تو بڑی لعن طعن کی جا رہی ہے لیکن این آر او جاری کرنے والے پرویز مشرف کا ذکر کم ہو گیا ہے۔ اگر این آر او برا ہے تو این آر او جاری کرنے والا بھی تو برا ہے؟ صدر آصف علی زرداری 31 جولائی 2009ء کو سپریم کورٹ کے فیصلے کے فوراً بعد آئین کی دفعہ چھ کی خلاف ورزی کے الزام میں پرویز مشرف کا ٹرائل شروع کر دیتے تو آج وہ حالات نہ ہوتے جن کے باعث حکومت کے خاتمے کی افواہیں جنم لے رہی ہیں۔

پرویز مشرف کے دور میں حکومت کی سیاسی مصلحتوں کی کوکھ سے جن سانپوں نے جنم لیا آج وہ اژدھے بن کر جگہ جگہ قومی سلامتی کیلئے خطرہ بنے ہوئے ہیں۔ پرویز مشرف نے کئی مرتبہ ان سانپوں سے مخالفین کو ڈرا کر اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کی 2000ء میں اٹک قلعے کے جس قید خانے میں نواز شریف بند تھے اس قید خانے کے سامنے ایک پرانا درخت تھا۔ ایک دفعہ نواز شریف کو خوفزدہ کرنے کے لئے اس درخت پر بڑے بڑے سانپ لٹکا دیئے گئے۔ درخت کی شاخوں پر لٹکتے سانپ دیکھ کر نواز شریف خبردار تو ہو گئے لیکن خوفزدہ نہیں ہوئے۔ جب سے نواز شریف نے اعلان کیا ہے کہ وہ جمہوریت کے خلاف کسی

سازش کا حصہ نہیں بنیں گے تو مشرف دور کے سانپ ایک دفعہ پھر ان پر پھنکار رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ چھوٹے سانپ ہماری آستینوں میں بھی گھس چکے ہیں۔ ان چھوٹے بڑے سانپوں سے پاکستان کے قومی وجود کو نجات دلانے کیلئے ہم سب کو اکٹھا ہونے کی ضرورت ہے اور اس سرکار کو انصاف کے کٹہرے میں لا کر کھڑا کرنے کی ضرورت ہے جس نے اپنی پٹاری سے صرف این آر او کا سانپ نہیں بلکہ دہشت گردی کا سانپ بھی نکالا جو آج ہم سب کے لئے خطرہ بنا ہوا ہے۔

# مظلوموں کے ساتھی الطاف حسین لندن میں کروڑوں کی جائیداد کے مالک

## Mill Hill میں واقع مکان کی قیمت 10 لاکھ اور Edgware Area میں گھر کی قیمت 7 لاکھ پاؤنڈ ہے

## مڈل کلاس کی نمائندہ ہونے کی دعویدار جماعت کے سربراہ نے اہلیہ اور بھائی کے نام پر بھی جائیداد خریدی

## لندن سیکرٹریٹ بھی ملکیت ہے، ہنڈا ففٹی پر سیاسی زندگی کا آغاز کرنے والے برطانیہ میں بے روزگار ہیں

کراچی (رپورٹ: انویسٹی گیشن سیل) ''مظلوموں کے ساتھی'' اور مڈل کلاس کی نمائندہ ہونے کی دعویدار جماعت متحدہ قومی موومنٹ کے سربراہ الطاف حسین برطانیہ میں لاکھوں پاؤنڈز کی جائیداد کے مالک ہیں۔ ایم کیو ایم کے سربراہ الطاف حسین کا گھر لندن کے مہنگے ترین علاقے Mill Hill میں واقع ہے۔ برطانیہ کے لینڈ ڈیپارٹمنٹ کی سرکاری ویب سائٹ کے مطابق اس گھر کے مالک الطاف حسین ہیں اور اس گھر کی قیمت 10 لاکھ پاؤنڈ یعنی پندرہ کروڑ پاکستانی روپے سے بھی زیادہ ہے۔ اس گھر کے لیے 24 گھنٹے مہنگی ترین سیکورٹی کا بندوبست کیا گیا ہے۔ صرف یہی ایک گھر نہیں جو الطاف حسین کی ملکیت ہے بلکہ اسی محلے کے قریب Edgware Area میں ایک اور مکان ہے جس کے مالک الطاف حسین اور ان کی اہلیہ فائزہ الطاف ہیں۔ اس مکان کی قیمت ساڑھے 5 لاکھ پاؤنڈ یعنی 7 کروڑ پاکستانی روپے ہے۔ اس کے علاوہ اسی علاقے میں 2 گھر الطاف حسین کے بھائی اقبال حسین کے نام پر ہیں۔ ایم کیو ایم کا انٹرنیشنل سیکرٹریٹ 57-58 Elizabeth House, Edgware پر واقع ہے۔ بعض اطلاعات کے مطابق انٹرنیشنل سیکرٹریٹ بھی الطاف حسین کے نام پر ہے۔ ان تمام اثاثوں کی تصدیق برطانیہ کے لینڈ ڈیپارٹمنٹ کی ویب سائٹ https://www.landregistry.gov.uk سے کی جاسکتی ہے۔ الطاف حسین فوجی آپریشن کے نتیجے میں 1992ء میں پاکستان سے فرار ہوگئے تھے۔ انہوں نے سعودی عرب کے راستے برطانیہ پہنچ کر سیاسی پناہ کی درخواست کی تھی جسے منظور کرلیا گیا تھا۔ الطاف حسین نے اپنے سیاسی کیریئر میں ہمیشہ مڈل کلاس کی نمائندہ جماعت ہونے کا دعویٰ کیا اور تواتر کے ساتھ اس بات کی تشہیر کی کہ انہوں نے کراچی میں اپنی سیاسی زندگی ایک ففٹی موٹر سائیکل پر گزاری۔ یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ متحدہ قومی موومنٹ کے سربراہ الطاف حسین کا برطانیہ میں کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے، اور اُن کے تمام اخراجات پارٹی برداشت کرتی ہے۔ جبکہ پاکستانی اور برطانوی کرنسی کا ایکسچینج ریٹ 140 روپے ہے۔

# کیا آرٹیکل 248 اسلام کے منافی نہیں؟

ذاکر حسین

موسیٰ قصاب یہودی تھا۔ 1945ء میں ایران میں پیدا ہوا۔ بعد میں اسرائیل منتقل ہوگیا اور اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد سیاست کے کوچے میں قدم رکھا تو بے مثال کامیابی اس کا مقدر ٹھری۔ صرف 24 سال کی عمر میں KiryatMalakhi کا میئر منتخب ہوا۔ 1977 میں پہلی بار ممبر اسمبلی منتخب ہوا اور 1981ء میں ڈپٹی منسٹر۔ 1996 سے 1999 تک نائب وزیر اعظم کی ذمہ داریاں بھی ادا کیں۔ اگلے ہی سال صدارت کا الیکشن لڑا اور اپنے مضبوط حریف شمعون پیریز کو ہرا کر تاریخ میں پہلی بار سات سال کے لیے صدر منتخب ہوا۔ یہ دائیں بازو کی جماعت لیکوڈ پارٹی سے تعلق رکھنے والا بھی پہلا صدر تھا اور واحد صدر بھی تھا جس کی پیدائش کسی اسلامی ملک میں ہوئی تھی۔

لیکن پھر جولائی 2006ء میں ذلت اور رسوائی نے ڈیرے ڈال دیے جب اس نے اپنے اٹارنی جنرل کو بتایا کہ اس کی ایک ماتحت عورت اسے بلیک میل کر رہی ہے۔ اس کے فوراً بعد ہی پولیس نے تحقیقات شروع کر دی جس میں دس خواتین سے جنسی زیادتی اور ہراساں کرنے کا انکشاف ہوا۔ 22 اگست 2006 کو پولیس نے حاضر سروس صدر کے گھر پر ریڈ کیا۔ کاغذات اور کمپیوٹر اپنی تحویل میں لے لیے اور اگلے ہی دن پولیس نے صدر سے بے رحم تفتیش بھی شروع کر دی۔ تین ہفتوں کے اندر اندر پانچ بار پولیس نے صدر کو تفتیش کے لیے بلایا۔ پانچویں بار تو صبح دس سے شام سات بجے تک تفتیش کرتے رہے۔ اس دوران صدر پر استعفیٰ دینے کا دباؤ رہا لیکن وہ لمبی چھٹی پر چلا گیا۔ پولیس نے تفتیش مکمل کرنے پر سات خواتین سے جنسی زیادتی کنفرم کی۔ صدر کو اس جرم کی پاداش میں 16 سال کی سزا ہو سکتی تھی لیکن صدر نے عدالت کے باہر ہی خواتین کو معاوضہ دے کر راضی نامہ پیش کر دیا۔

یہ تو صرف ایک واقعہ ہے قانون کی بالادستی کا ان کا جنھیں ہم جہنمی کہتے ہیں۔ ایسے ہزاروں واقعات ہیں ان جہنمیوں کے جبکہ ان کے مقابلے میں اگر ہم اپنے حکمرانوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارے سر شرم سے جھک جاتے ہیں۔ ندامت سے پانی پانی ہو جاتے ہیں۔ ایک طرف یہودی صدر پولیس کے سامنے 9 گھنٹے تک مسلسل زیر تفتیش رہا، ان کی اجازت کے بغیر سرکاری تقریب میں شرکت تک نہ کر سکا تو دوسری طرف ہمارا ایک سابق وزیر اعلیٰ اپنے ایک رشتے دار کو بنفس نفیس خود تھانے پہنچ کر حوالات سے چھڑاتا ہے اور ہمارا قانون حرکت میں آنے کے بجائے بے بسی کی مثال بن جاتا ہے۔ ہمارا ٹریفک سارجنٹ قانون کے مطابق فوجی افسر کی فیملی کو گاڑی سے کالے شیشے اتارنے کا کہتا ہے تو اسے ہی ہتھکڑی لگا کر فوجی افسر کے حضور پیش کیا جاتا ہے معافی مانگنے کے لیے اور قانون فوجی ڈنڈے کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ ذاتی مفادات کے لیے قانون کو لونڈی بنا کر قتل اور کروڑوں اربوں کی لوٹ کھسوٹ تک معاف کر دی جاتی ہے۔

کبھی ہمارے اسلاف بھی قانون کے پابند تھے۔ بلکہ جب دنیا میں جنگل کا قانون تھا تو صرف مسلمانوں کے ہاں ہی قانون کی بالادستی تھی۔ ہمارے خلیفہ تک قانون سے بالاتر نہیں تھے۔ علامہ شبلی نعمانی اپنی مشہور تصنیف الفاروق میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ خلیفہ وقت ہونے کے باوجود متعدد دفعہ خود عدالت میں فریق مقدمہ بن کر گئے۔ ایک دفعہ ان میں اور ابی ابن کعبؓ میں کچھ تنازع تھا۔ ابی بن کعبؓ نے زید بن ثابتؓ کے ہاں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے۔ زید نے تعظیم دی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "یہ تمھارا پہلا ظلم ہے"۔ یہ کہہ کر ابی بن کعبؓ کے برابر بیٹھ گئے۔ ابی بن کعبؓ کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمرؓ کو دعوے سے انکار تھا۔ ابی بن کعبؓ نے قاعدے کے مطابق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی لیکن زید نے ان کے رتبے کا پاس کر کے درخواست کی کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمرؓ اس طرف داری پر نہایت رنجیدہ ہوئے۔ زید کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ "جب تک تمھارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمرؓ برابر نہ ہوں تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے"۔

تاریخ اسلام میں شاہ معین الدین ندوی حضرت علیؓ کے دور حکومت کا ایک واقعہ تحریر کرتے ہیں کہ ایک نصرانی کو حضرت علیؓ کی زرہ پڑی ملی۔ حضرت علیؓ نے اسے پہچان لیا اور قاضی شریح کی عدالت میں دعویٰ کیا۔ نصرانی کا دعویٰ تھا کہ زرہ اس کی ہے۔ قاضی نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ قاضی شریح نے نصرانی کے حق میں فیصلہ دیا۔ اس فیصلہ کا نصرانی پر اتنا اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا اور کہا کہ یہ تو انبیاء کے جیسا انصاف ہے کہ امیر المومنین مجھے اپنی عدالت کے قاضی کے سامنے پیش کرتے ہیں اور قاضی امیر المومنین کے خلاف فیصلہ دیتا ہے۔

خلیفہ کے بعد گورنر ہی طاقتور ترین عہدہ تھا لیکن یہ بھی قانون سے بالاتر ہرگز نہیں تھے۔ عمرو بن العاص مصر کے گورنر تھے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ انھوں نے مجھے سو کوڑے بے قصور مارے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے مستغیث کو حکم دیا کہ عمرو بن العاص کو سو کوڑے لگاؤ۔ حضرت عمرؓ کو مصر کے ہی ایک اور گورنر عیاض ابن غنم کے خلاف شکایت ملی کہ باریک کپڑے پہنتا ہے اور دربار پر دربان بیٹھاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے تحقیق کے بعد اسے مدینہ بلایا۔ باریک کرتہ اتروا کر کمبل کا کرتہ پہنایا اور بکریوں کا ایک گلہ منگوا کر حکم دیا کہ "جنگل میں لے جا کر چراؤ"

ایک طرف تو ہم ان شاندار روایات کے امین ہیں کہ خلیفہ وقت تک عدالتوں میں حاضر ہوتے تھے لیکن دوسری طرف اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 248 کے تحت صدر اور گورنر کو عدالتیں طلب نہیں کر سکتیں۔ نہ تو ان پر کوئی مقدمہ چل سکتا ہے اور نہ ہی انھیں کوئی سزا مل سکتی ہے۔ میرا سوال پاکستان کے شہریوں، سیاستدانوں، قانونی ماہرین، دانشوروں اور اسلامی اسکالرز سے ہے کہ کیا یہ شق اسلام کے بنیادی اصولوں کے سراسر منافی نہیں؟

## صدر کیخلاف سوئس مقدمات این آر او سے ختم کرائے گئے: ملک قیوم

## 5 فروری 2008ء کے بعد کے ختم کرائے گئے کیسز خود بخود کھل جائیں گے: ایس ایم ظفر

## کالم کار" میں عباس اطہر، عبدالقادر حسن، مجیب الرحمٰن شامی اور اے آر خالد کی بھی گفتگو

لاہور (خصوصی نمائندہ) سابق اٹارنی جنرل جسٹس (ر) ملک محمد قیوم نے کہا ہے کہ صدر آصف زرداری کے خلاف سوئٹزرلینڈ میں قائم مقدمات کو این آر او کی وجہ سے ختم کرایا گیا تھا۔ این آر او آنے کے بعد حکومت نے درخواست دی تھی جس کے بعد یہ مقدمات ختم کئے گئے این آر او کے سیکشن 7 میں لکھا ہے کہ جس دن این آر او لاگو ہو گا اس کے بعد تمام قائم مقدمات ختم کر دیئے جائیں گے۔ 120 دن کے بعد کوئی کیس دوبارہ نہیں کھولا جائے گا۔ وہ ایکسپریس نیوز کے پروگرام کالم کار میں معروف کالم نویسوں اور تجزیہ کاروں عباس اطہر، عبدالقادر حسن، مجیب الرحمٰن شامی اور ڈاکٹر اے آر خالد سے بات چیت کر رہے تھے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اس وقت سپریم کورٹ میں ڈاکٹر مبشر حسن کی پٹیشن چل رہی ہے اور اگر سپریم کورٹ این آر او کو غیر آئینی قرار دیتی ہے تمام ختم شدہ کیسز خود بخود کھل جائیں گے جن میں سوئس کیسز بھی شامل ہیں۔ انہوں نے کہا کہ صدر آصف زرداری اور بے نظیر بھٹو کے خلاف دیئے گئے فیصلوں پر مجھے کوئی ندامت نہیں تاہم سپریم کورٹ نے وہ فیصلہ ختم کر دیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ سوئس عدالتوں میں چلنے والے کیسز کے حوالے سے میری سوئس اٹارنی جنرل سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی نہ میں کسی سوئس عدالت میں پیش ہوا ہوں۔ اگر این آر او پر مجھ سے مشاورت کی جاتی تو اتنا برا این آر او نہ آتا۔ انہوں نے کہا کہ این آر او کے تحت ختم کئے گئے کیسز اور وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کے ختم کئے گئے کیسز میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سینیٹر ایس ایم ظفر نے کہا کہ این آر او میں یہ درج تھا کہ کیسز ختم کرانے کیلئے حکومت کو درخواست دینا ہوگی اس پر درخواستیں دی گئیں مگر 5 فروری 2008ء کے بعد کے ختم کرائے گئے کیسز خود بخود کھل جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ صدر کے خلاف مقدمات دوبارہ کھل سکتے ہیں مگر صدر کو عدالت میں نہیں بلایا جاسکتا تاہم اگر صدر خود عدالت کے ذریعے اپنے آپ کو کلیئر کرانے کیلئے عدالت پیش ہونا چاہیں تو ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جو مقدمات این آر او کے ذریعے ختم ہو گئے وہ تو کھل جائیں گے مگر جن مقدمات پر نیب نے پیروی کرنے کی معذوری ظاہر کر دی ان کی صورتحال مختلف ہے نیب اگر کسی مقدمے کی پیروی سے انکار کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ نیب کے پاس اس کیس کے مناسب ثبوت نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ملک میں نیب پر دباؤ ڈال کر اس طرح کے اعلانات کرالئے جاتے ہیں تاہم عدالت کے ذریعے ختم کئے گئے وہ قانونی طور پر ختم تصور ہوتے ہیں تاہم سیاسی طور پر اس کی کیا صورتحال ہے یہ ایک الگ بحث ہے۔ شرکاء کالم نے کہا کہ پچھلے چند روز سے نواز شریف اور شہباز شریف کے رویے میں تبدیلی آئی ہے اور وہ سمجھ گئے ہیں کہ موجودہ سیاسی سیٹ اپ کو ختم کرنے میں ان کا بھی نقصان ہو گا۔ ان کی بھی خواہش ہے کہ موجودہ حکومت 5 سال تک چلے۔ شرکاء نے کہا کہ جس طرح چیف جسٹس آف پاکستان کی تعیناتی کا طریقہ طے ہو گیا ہے جس میں چیف جسٹس کی ریٹائرمنٹ کے بعد سینیئر موسٹ جج چیف جسٹس بن جاتا ہے۔ اسی طرح آرمی چیف کے لئے بھی سلیکشن کی بجائے طے کر لیا جائے کہ آرمی چیف کی ریٹائرمنٹ کے بعد سینیئر موسٹ جنرل کو چیف بنا دیا جائے۔ شرکاء نے کہا کہ این آر او اب ایک مردہ گھوڑا ہو چکا ہے۔ اس کا فیصلہ اب سپریم کورٹ میں ہو گا۔

# گلگت بلتستان بھی کھپے

## نازک جتوئی

قوم کومبارک ہو پاکستان کے ہردلعزیز صدر محترم جناب آصف علی زرداری کی پارٹی نے گلگت بلتستان کا معرکہ بھی سرکرلیا۔ پارٹی اوراس کی قیادت کی مقبولیت کا یہ کمال ہے کہ لوگوں نے بار بار ووٹ ڈالے اور جس پولنگ اسٹیشن پر ووٹروں کی رجسٹرڈ تعداد اگرایک سوتھی تو ووٹ وہاں سے ڈیڑھ دوسو نکلے ہیں۔ اسے برکت کہتے ہیں۔ کہ دھاندلی ہوگئی لیکن سوائے حضرت مولانا کے سب دھاڑیں مارنے لگے ہیں۔

2002ء میں انتخابات کرانے کے لیے صدر جنرل پرویز مشرف کوکسی انتہائی فرمانبردار قسم کے چیف الیکشن کمشنر کی ضرورت تھی۔ قرعہ فال چیف جسٹس پاکستان کے عہدے سے ریٹائر ہونے والے جسٹس ارشاد حسن خاں کے نام نکلا تھا۔ ق لیگ کے سوا ساری سیاسی جماعتیں متفق ہوگئیں کہ اب خیرنہیں ارشاد حسن' انتخابات کی ایسی تیسی کر کے رکھ دے گا۔ آج کے صدر جناب زرداری اس وقت اڈیالہ جیل میں رہائش پذیر تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ جب تک الیکشن کمیشن آزاد نہیں ہوتا ملک اور قوم پٹڑی پرنہیں آسکیں گے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ حقوق انسانی کی سرگرم کارکن عاصمہ جہانگیر کو چیف الیکشن کمشنر بنادیا جائے۔ یہ ایک آئینی عہدہ ہے اس کے تقرر کے لیے ایک باقاعدہ طریقہ کار ہے اب زرداری صاحب صدر ہیں لیکن انہیں عاصمہ جہانگیر یادنہیں آئیں۔

آئین کا آرٹیکل 213 چیف الیکشن کمشنر کے تقرر کی وضاحت کرتا ہے کہ عدالت عظمیٰ اور عالیہ کا کوئی حاضر سروس یا ریٹائرڈ جج اس عہدے پر فائز ہوسکتا ہے۔ لیکن ہمارے سیاستدان عجیب الخلقت ہیں۔ اپوزیشن میں ہوں تو انتہائی جمہوریت پسند' عدلیہ' الیکشن کمیشن اور میڈیا کی آزادی کوملکی عوارض کا درماں سمجھتے اور مطالبے کرتے ہیں کہ ان سب اداروں کو آزاد کیا جائے اور جب حکومت میں ہوں تو سانپ سونگھ جاتا ہے۔ ہرادارے کو گھر کی باندی بنالینا مطمع نظر بن جاتا ہے۔ آج صدر زرداری صاحب اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ وہ ان اداروں کو آزاد کرنے کی جرأت وہمت اپنے اندر پاتے ہیں؟ ان اداروں کو آزاد کرنا تو دور کی بات ہے ذاتی اغراض ومقاصد کے لیے استعمال کرنا ہی چھوڑ دیا جائے تو ملک کی تقدیر سنور سکتی ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کہیں گے سب آزاد ہیں اور ہم بھی۔

اب آئیے گلگت بلتستان کے انتخابات پر۔ حکومت نے بڑے دھڑلے کے ساتھ سرکاری مشینری استعمال کی۔ گلگت بلتستان کے سیاہ وسفید کے مالک گورنر جناب قمرزمان کائرہ رات دن اپنے امیدواروں کے لیے کام کرتے رہے۔ اسلام آباد سے ساتھی وزراء بلالیے۔ بیت المال کا منہ انتخابی مہم کی جانب کھول دیا گیا۔ بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کے فارم اور رقوم فوری طور پر تقسیم ہونے لگیں۔ پچاس ہزار خاندانوں کو گھروں میں رقوم پہنچائی گئیں۔ رحیم نواز درانی نامی ہیرا تراش کر چیف الیکشن کمشنر بنایا گیا جس نے کمال مہارت سے پندرہ دن کے اندر ووٹرلسٹیں تیار کردکھائیں اور حکومت وقت کی فتح مبین کے لیے فنی وتکنیکی ضروریات کا پورا پورا خیال رکھا۔

شاباش ہے الیکشن کمشنر کے صبرواستقامت کو کہ انتخابی قوانین کی دھجیاں اڑتے دیکھتا رہا مگراف تک نہیں کی۔ گھر گھر نوٹوں کی تھیلیاں پہنچا کر بھی حکومت کو اطمینان نہیں ہوا خطرہ تھا کہ ووٹر پیسے لے کے بھاگ نہ جائے۔ پکا کام یوں کیا کہ لوگوں سے پیشگی شناختی کارڈ لے لیے گئے۔ پھر بھی صدر ذوالفقار مطمئن نہیں ہوئے انہوں نے وزیراعظم کی ڈیوٹی لگائی کہ انتخابی مہم میں بنفس نفیس شریک ہوں چنانچہ وہ گئے اور انہوں نے حلوائی کی دکان پر داداجی کی فاتحہ پڑھی۔ دریا دلی یوں دکھائی کہ ہزاروں ملازمین کو پکا کردیا۔ اسکردو کو بگ سٹی قرار دیا۔ اور سیدھے سبھاؤ لوگوں سے اپیل کی کہ پیپلز پارٹی کو ووٹ دیے جائیں۔ اتنی بڑی بددیانتی۔ ہر جمہوری ملک میں الیکشن کا اعلان ہوتے ہی حکومت کے تمام اختیارات الیکشن کمیشن کو منتقل ہوجاتے ہیں۔ کوئی تقرر وتبادلہ' مالی معاملات ومعاہدے اور مدد امداد حکومت کے بس میں نہیں رہتی۔ دور کیوں جائیں۔ اپنے پڑوس بھارت میں دیکھ لیں الیکشن کے ہنگام حکومت مجبور محض ہوتی ہے۔ الیکشن کمیشن ہی سب سے بڑی اتھارٹی ہوتا ہے حکومت اس کے احکامات پر عمل کرتی ہے ایک ہم ہیں کہ تہیہ کرلیا ہے تاریخ سے کچھ نہیں سیکھنا کوئی اچھی روایت اپنائی ہے اور نہ بری روایت کو ترک کرنا ہے۔ صدر صاحب نے نعرہ لگایا تھا کہ انہیں پورا پاکستان کھپے۔ جب سے یہ لوگ کہیں رکنے میں نہیں آرہے۔ باجماعت کھپے کھپے کی آوازیں نکال رہے ہیں۔ قدرت نے ان کو ایک موقع فراہم کیا کہ اپنے گناہوں کی تلافی کرلیں ملک وقوم کو اچھی حکمرانی دیں قومی خزانے کو شیرمادر کی طرح ہضم نہ کریں۔ حکمرانی ایک بہت بڑی امانت ہے۔ خلیفہ راشد حضرت عمرؓ تو حکمراں کو اس قدر جواب دہ سمجھتے تھے کہ کسی بکری کے ساتھ ناانصافی کا بھی اس کو حساب دینا پڑے گا۔ ہمارے حکمراں کیوں نہیں یاد کرتے کہ انہیں ایک دن مرنا اور حساب کتاب بھی دینا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک دن خود کھپ جائیں اور کسی آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ بھی نہ نکلے۔

# اصل خطرہ ایم کیو ایم ہے

دکاندار کا دعویٰ تھا پورے ملک کی چینی صدر آصف علی زرداری نے ذخیرہ کر لی ہے اور یہ چینی بعدازاں افغانستان' ایران اور بھارت کو بیچ دی جائے گی۔ میں اس دعویٰ پر مسکرانے پر مجبور ہو گیا لیکن وہ مصر رہا' میں نے وجہ جاننے کی کوشش کی تو اس نے ایک نئی ڈھمکری چھوڑ دی۔ اس کا کہنا تھا صدر آصف علی زرداری نے یہ چینی اسرائیل کیلئے جمع کی تھی لیکن امریکا نے اسرائیل کو سستی چینی دے دی یوں امریکہ کی سازش کی وجہ سے زرداری صاحب کو ڈیڑھ ارب روپے کا نقصان ہوا۔ میں نے خبر کا "سورس" پوچھا تو اس کا کہنا تھا اس کے دوست کے سالے کا سالہ ایوان صدر میں سیکورٹی گارڈ ہے اور اس نے یہ اہم قومی راز کسی دوسرے گارڈ سے سنا تھا۔ میں نے قہقہہ لگایا اور چینی لئے بغیر واپس لوٹ آیا۔

میں سارا راستہ سوچتا رہا' یہ کیا ہے؟ یہ اعتماد کا وہ فقدان ہے جسے انگریزی میں "کریڈیبلٹی لاس" کہتے ہیں' صدر آصف علی زرداری اس وقت ملک کے بد قسمت ترین شخص ہیں' ملک میں اگر سردیاں تاخیر سے آئیں۔ مری' ناران اور سکردو میں اچانک برف پڑ جائے' سندھ میں دو ٹرینیں ٹکرا جائیں یا پندرہ دن تک بارش نہ ہو تو یہ تمام آفات چپ چاپ صدر زرداری کے کھاتے میں درج ہو جاتی ہیں۔ حد تو یہ ہے یکم نومبر کو گھڑیاں ایک گھنٹہ پیچھے کی گئی تھیں تو لوگوں نے کہنا شروع کر دیا تھا اس سے بجلی کی جتنی بچت ہو گی یہ آصف علی زرداری کے بینک اکاؤنٹ میں جمع ہو جائے گی۔ حد تو یہ ہے ہیلری کلنٹن پاکستان کے دورے پر آئیں' انہوں نے کھلے عام بری امام اور بادشاہی مسجد کا دورہ کیا' ہیلری کلنٹن کی یہ جرات بھی آصف علی زرداری کی برائی بن گئی اور لوگوں نے کہنا شروع کر دیا ہمارے صدر آج تک اپنے مورچے سے باہر نہیں نکلے جبکہ ہیلری کلنٹن جنگ زدہ پاکستان میں کھلے عام پھر کر ہمارے صدر کی بے عزتی کر گئی ہیں اور یہ دعویٰ بھی عام ہے کہ صدر صاحب نے امریکا سے رشوت لے کر کیری لوگر بل قبول کیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ یہ کیوں ہے؟ قوم اپنے جمہوری صدر کو اتنا ناپسند کیوں کرتی ہے؟ پاکستان میں ہونے والی ہر برائی صدر آصف علی زرداری کے کھاتے میں کیوں درج ہو جاتی ہے اور اس کریڈیبلٹی لاس کا اصل ذمہ دار کون ہے؟ یہ آج کے بڑے اہم سوال ہیں لیکن ان تمام سوالوں کا صرف ایک ہی جواب ہے کہ صدر صاحب بدقسمتی سے اپنی کریڈیبلٹی لوز کر بیٹھے ہیں جس کی وجہ سے اب جنوبی امریکا میں بھی کوئی مسافر طیارہ گر کر تباہ ہو جائے یا سسلی کا مافیا ہیروں کی سمگلنگ میں دس بیس ملین ڈالرز کما لے تو یہ صدر آصف علی زرداری کا کارنامہ بن جاتا ہے' ملکی حالات تو ویسے ہی سب کے سامنے ہیں' اسلام آباد میں دو ہزار چار سو ساٹھ کنال زمین کی خریداری کے سکینڈل سے ابھی تک دھواں اٹھ رہا ہے کہ تین ارب روپے کے ایک نئے سکینڈل پر کام شروع ہو گیا ہے۔ آصف علی زرداری اور بلاول زرداری بھٹو کی اس مشترکہ کمپنی جس نے اسلام آباد میں ساڑھے چھ کروڑ روپے میں دو ہزار چار سو ساٹھ کنال زمین خریدی تھی اس فرم کے بارے میں افواہیں گردش کر رہی ہیں کہ اس نے کراچی کی ایک ادھوری بلڈنگ کے کاغذات جمع کرا کر بڑے قومی بینک سے تین ارب روپے قرضہ لے لیا۔ اللہ جانے اس سکینڈل میں کتنی سچائی ہے اور یہ میڈیا کے سامنے کب آئے گا۔

صدر صاحب کے بارے میں یہ اطلاعات اتنی خطرناک نہیں ہیں جس قدر خطرناک بات یہ ہے کہ لوگ ایسی تمام اطلاعات پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتے ہیں' آپ آج کسی بھی عوامی جگہ پر صدر صاحب پر کوئی اوٹ پٹانگ الزام لگا دیں لوگ فوراً یقین کر لیں گے کیوں؟ کیونکہ صدر صاحب بدقسمتی سے اپنی کریڈیبلٹی کے پاؤں پر خود کلہاڑی مارتے رہے ہیں' میثاق جمہوریت کو سیاسی بیان قرار دینا ہو یا ججز کی بحالی سے انکار ہو' یا پھر اٹھاون ٹو بی کے خاتمے کا وعدہ ہو یا کے ای ایس سی کو اپنے خاندان کے حوالے کرنا ہو صدر صاحب نے بے شمار ایسی سیاسی غلطیاں کیں جن کے باعث میاں نواز شریف تو رہے ایک طرف آج صدر صاحب کے سیاسی اور بین الاقوامی حلیف بھی ان پر اعتماد کیلئے تیار نہیں ہیں۔ امریکا بھی ان پر اعتماد نہیں کر رہا اور اے این پی' جے یو آئی اور ایم کیو ایم بھی صدر صاحب کے وعدوں کو سنجیدہ نہیں لیتی۔ اسفندیار ولی بڑے دنوں سے سیاسی پس منظر سے غائب ہیں' مولانا فضل الرحمان بھی بیانات میں بہت محتاط ہو گئے ہیں جبکہ ایم کیو ایم کھل کر اپنا سیاسی مافی الضمیر بیان کر رہی ہے۔ ایم کیو ایم نے پچھلے ڈیڑھ سال میں سیاسی لحاظ سے بہت "گین" کیا ہے' ایم کیو ایم کی بنیاد لسانی تھی' یہ جماعت مہاجروں کی محبت اور سندھیوں' پشتونوں اور پنجابیوں کی نفرت میں بنائی گئی تھی چنانچہ اس پر بھتہ خوری' قتل' ڈکیتیوں' ہنگاموں اور غنڈہ گردی کے الزامات لگتے رہے' ان الزامات کے باعث ایم کیو ایم کا امیج خراب ہو گیا اور لوگ اسے مافیا کا خطاب دینے لگے لیکن جب کراچی کی نظامت ایم کیو ایم کے ہاتھ میں آئی تو اس نے اپنا امیج بہتر بنانا شروع کر دیا' ایم کیو ایم نے کراچی اور حیدر آباد میں کمال کر دیا۔ آپ اگر آج کراچی جا کر دیکھیں تو آپ کو 2002ء اور 2009ء کے کراچی میں زمین آسمان کا فرق دکھائی دے گا۔ پورے شہر میں سڑکوں اور فلائی اوور کا جال بچھا ہے' پارکس اور کھیل کے میدان آباد ہیں' کراچی کی آخری آبادی تک واٹر سپلائی کام کر رہی ہے اور کارپوریشن کی گاڑیاں پورے شہر سے کچرا اٹھا رہی ہیں۔ حیدر آباد میں بھی یہی عالم ہے اور ایم کیو ایم کی مینجمنٹ اب حیدر آباد سے سکھر کی طرف بھی بڑھ رہی ہے۔ ایم کیو ایم پرویز مشرف کی اتحادی بھی رہی اور اب صدر آصف علی زرداری کی کولیشن پارٹنر بھی ہے۔ ان دونوں ادوار میں ایم کیو ایم کے وزراء کا رویہ دوسرے وزراء کے مقابلے میں بہت اچھا تھا' یہ لوگوں کی دسترس میں بھی تھے' ان پر ذاتی کرپشن کا بھی کوئی الزام بھی نہیں تھا اور یہ "ڈاؤن ٹو ارتھ" بھی تھے۔ ان دو ادوار میں بارہ مئی 2007ء کے سوا ایم کیو ایم کی زیادہ تر سیاسی چالیں درست تھیں اور ان سے اس کے امیج میں مثبت تبدیلی آئی۔

ایم کیو ایم کو اپنا امیج بہتر بنانے کا زیادہ تر موقع میاں نواز شریف نے فراہم کیا' میاں نواز شریف بڑی احتیاط کے ساتھ قدم اٹھا رہے ہیں کیونکہ میاں صاحب کو خطرہ ہے یہ بھی آصف علی زرداری کے ساتھ ساتھ دوبارہ جلا وطن نہ ہو جائیں اور پاکستان پیپلز پارٹی کو اقتدار سے فارغ کرتے کرتے پاکستان مسلم لیگ ن بھی سیاست سے فارغ نہ ہو جائے لہٰذا یہ محتاط کھیل رہے ہیں۔ میاں صاحب کی اس احتیاط پسندی کا فائدہ ایم کیو ایم اٹھا رہی ہے' ایم کیو ایم نے حکومت کا اتحادی ہوتے ہوئے بجٹ کے دوران اپوزیشن کا کردار ادا کیا' اس نے چینی' آٹے' بجلی' گیس اور مہنگائی کے ایشوز پر بھی عوامی موقف اختیار کیا اور الطاف حسین نے این آر او کی بروقت مخالفت کر کے سارا سیاسی میلا بھی لوٹ لیا۔ این آر او پر پاکستان مسلم لیگ ن' ق' اے این پی اور جے یو آئی کا موقف بھی یہی تھا لیکن یہ جماعتیں محتاط بیانات جاری کرتی رہیں جبکہ الطاف حسین نے لوہار کی ایک ضرب لگا کر سب سناروں کو ہرا دیا۔

مجھے محسوس ہوتا ہے الطاف حسین آنے والے دنوں میں بھی چند ایسی چالیں چلیں گے جس سے ایم کیو ایم ملک کی بڑی سیاسی جماعت بن جائے گی۔ مجھے خطرہ ہے میاں نواز شریف سے قبل الطاف حسین صدر آصف علی زرداری سے استعفیٰ کا مطالبہ کر دیں گے' اڑھائی سال کیلئے قومی حکومت یا بنگلہ دیش ماڈل کا مطالبہ بھی ایم کیو ایم کی طرف سے آ جائے گا اور اگر حالات ٹھیک نہ ہوئے تو شائد مڈ ٹرم الیکشنز کا مطالبہ بھی ایم کیو ایم ہی کر دے اور یوں ایم کیو ایم ایک بار پھر بازی لے جائے گی اور اس کا نقصان پاکستان پیپلز پارٹی سے زیادہ پاکستان مسلم لیگ ن کو ہو گا۔ مجھے محسوس ہوتا ہے صدر صاحب کی بری سیاست اور میاں صاحب کے محتاط رویے کا اصل فائدہ ایم کیو ایم اٹھا لے گی۔ یہ ایک آدھ سیاسی چال کے ذریعے بڑی پارٹی بن جائے گی چنانچہ پاکستان پیپلز پارٹی ہو یا پاکستان مسلم لیگ مستقبل میں ان کا اصل حریف اسٹیبلشمنٹ نہیں بلکہ ایم کیو ایم ہو گی کیونکہ اس کی کریڈیبلٹی میں بھی اضافہ ہو رہا ہے اور پرفارمنس میں بھی۔